دبیر عباس ❁
ڈاکٹر خالد ندیم ❁❁

اسلم انصاری کی غزل میں غم کا بیان

Expression of Sorrow in connection of Love and Life in Aslam Ansari's Ghazal

By *Dabeer Abbas, PhD Scholar, Dept. of Urdu, University of Sargodha.*
Dr. Khalid Nadeem, Associate Prof., Dept. of Urdu, University of Sargodha.

ABSTRACT

Aslam Ansari is a prominent contemporary Urdu poet. Beside a poet, he is also considered an important Iqbal Shanaas, researcher and critic. He has not only shown creative excellence in Urdu but has also written excellent poetry in Persian, English and Saraiki. His poetry rotates around the romantic sentiments, expression of personal and collective truths, lamentaion of modern turmoil, philosophy of the universe and life, defeat of human and moral values in modern time, patriotism and values of the past. The expression of sorrow is found again and again not only in Aslam Ansari's poetry but also in his prose writings. For him, sorrow is the core reality of life. In this article, the study of sorrow in connection of love and life expressed in his Ghazal has been made.

Keywords: Aslam Asnari, Poetry, Ghazal, Love, Sorrow, Life, World, Past, Present, Future, Optimism.

محبت، زندگی کی سچائی ہے جسے جھٹلایا نہیں سکتا۔ محبت ہی سے کائنات میں رنگینی بھی ہے۔ انسان ہے تو اُسے کبھی نہ کبھی ضرور محبت کے تجربے سے گزرنا ہے۔ بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ ''عشق انسانی فطرت کا لازمی جزو ہے۔ اس کے دواعی ہر انسان کے جسم و جان سے پیوستہ و مربوط ہیں۔ زمانۂ شباب اِس کے ظہور کا زمانہ ہے۔ یہ امنگ

❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔
❁❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس سے قبل بھی غیر شعوری طور پر موجود ہوتی ہے اور جوانی کے گزر جانے پر بھی زندہ و محفوظ رہتی ہے۔'[۱] محبت کے سوال پر اِسی سے ملتا جلتا جواب ایک انٹرویو میں اسلم انصاری نے رضی الدین رضی کو دیا تھا:

میں اِس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔محبت کے تجربات ہوئے، جوانی میں ایسے جذبوں کا غلبہ ہوتا ہے اور اُس زمانے میں آدمی صرف اِس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اُسے محبت کرنی چاہیے۔ بعد کے زمانے میں بھی محبت کے دو تین تجربات ہوئے، اُن کی یادیں اب بھی موجود ہیں اور کسک کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔[۲]

اسلم کی شاعری کا بنیادی موضوع عشق و محبت ہی ہے۔ بقول اُن کے 'محبت زندگی کی شاعری ہے۔' اسلم انصاری کی محبت کے شواہد اُن کی شخصی زندگی اور شاعرانہ واردات دونوں میں ملتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ شاعرانہ زندگی میں اِس واردات کا تذکرہ زیادہ ہے۔اسلم انصاری کا اُسلوب ہی اُن کا محبوب ہے جو سب کچھ کہے دیتا ہے۔

اسلم انصاری کا محبوب ولی کے محبوب کی طرح مثالی یا تصوراتی نہیں اور نہ ہی کوئی نفسیاتی واہمہ ہے بلکہ حقیقت کے بہت قریب ہے لیکن اُن کی غزل اور نظم دونوں میں حُسن کی صورتِ حال اس پیرائے میں بیان ہوئی ہے، جو اُن سے قبل کم ہی کسی شاعر کے ہاں نظر آتی ہے۔

ایک مرمر سے اجالے کا تصور کیجے — کیسے الفاظ میں لے آئیں صباحت اس کی
اس کی باتوں میں مہکتے تھے فصاحت کے گلاب — اس کی آنکھوں میں چمکتی تھی ذہانت اس کی[۳]

چھلک رہی تھی سحر اُس کی مست آنکھوں سے — مگر وہ عکسِ سحر کے سوا کچھ اور بھی تھا
بہ انتہائے تبسم سکوتِ ناز اُس کا — متاعِ لعل و گہر کے سوا کچھ اور بھی تھا[۴]

غرور و نخوت اور خود پسندی کا پہلو محبوب کی ذات میں پایا جانا، ایک لازم امر ہے اور خصوصیت کے ساتھ اُردو غزل کے محبوب کے تو خمیر میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔لیکن اسلم انصاری کے محبوب میں یہ پہلو بھی روایتی محبوب سے کہیں بڑھ کے ہے۔

نرگسیّت نے بھی کیا کیا نہ قیامت ڈھائی
دیکھیے آتے ہیں وہ آئینہ بردار کے ساتھ[۵]

اسلم انصاری کے ہاں، عاشق محبت کے اظہار کے معاملے میں بہت ہچکچاہٹ کا شکار ہے، اوّل تو اُس میں جراتِ اظہار ہے ہی نہیں، اگر کہیں ایسا ہوا بھی تو اظہار استعاراتی زبان میں ہوا۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہمیں وقارِ تمنا کا تھا خیال بہت
ہمارے حرفِ تمنا کا رنگ کیا کھلتا(۶)

استعاروں میں سہی بات تو کرنا ہوگی
کوئی اُسلوب تو اُسلوبِ تمنا ٹھہرے(۷)

اظہارِ محبت کے بعد اقرارِ محبت اور پھر وصل و فراق کی کہانی ہماری اردو غزل کی ایک زندہ و جاوید کہانی ہے۔ اسلم انصاری کی شاعری میں حُسنِ بے مثال سے وصال کا قصہ کہیں تھوڑا بہت ہی ملتا ہے۔ اولاً تو یہ وصل نصیب میں ہی نہیں، اگر کہیں ایسی صورت ہے بھی تو لمحۂ وصل اتنا مختصر کہ یہ آیا اور وہ گیا۔ اس انتہائی مختصر وصل سے جدائی تک کا سفر درحقیقت اسلم انصاری کا ذاتی تجربہ ہے۔ اس تجربے میں مختصر ملاپ کا وہ سحر بھی موجود ہے جو بعد میں تمام عمر عاشق کو اپنے حصار میں مبتلا رکھتا ہے اور باوجود کوشش کے وہ اُس حصار سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اسلم انصاری نے یہ تجربہ ایک نئے احساس اور نئے رویّے کے ساتھ اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔

کسے کہیں کہ رفاقت کا داغ ہے دل پر
بچھڑنے والا تو کھل کر کبھی ملا ہی نہ تھا(۸)

وہ محبوب کے ساتھ نہ ہی جز وقتی تعلق چاہتے تھے اور نہ ہی اُن کا عشق فلرٹ کی کوئی قسم تھا۔ بلکہ وہ محبوب کی رفاقت کو اپنی ذات کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

مجھے تکمیلِ ہستی کے لیے شاید تمھاری ہی رفاقت کی ضرورت تھی
مگر کچھ روز کی رسمی سی یک جائی کے بعد اک دشتِ ہجراں سامنے آیا(۹)

اس تکمیلِ ذات کے لیے جب انھیں یار کا ساتھ میسّر نہیں آتا تو وہ تصویرِ یار کا سہارا لیتے ہیں۔

مدتوں ذات کی تکمیل کی خاطر ہم نے
تیری تصویر کو آئینہ بنائے رکھا(۱۰)

ہجر و فراق کا یہ لمحہ کئی صدیوں پر محیط ہو جاتا ہے اور اُن کی ذاتی زندگی میں ٹھہر سا جاتا ہے۔ غمِ فراق کی اس ساعت کو انھوں نے اپنی شاعری میں متنوع زاویوں کے ساتھ بیان کیا۔ اسلم انصاری کی غزلوں میں جدا ہونے میں بھی اک ایسی کشمکش پائی جاتی ہے کہ جو شاعری اور محبت کی دنیا میں ناپید نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

چمک اُٹھے تھے ستارے سے اُس کی پلکوں پر
بچھڑتے وقت وہ ظالم بھی اشک بار ہی تھا(۱۱)

اُس اک منظر نے مجھ کو عمر بھر بے چین ہی رکھا
وہ یوں انکار کرتا تھا کہ گویا کر نہ سکتا تھا(۱۲)

اسلم انصاری وارداتِ عشق میں وضع داری کے قائل ہیں۔ اگر اُن کا محبوب راہِ عشق راہِ فرار اختیار کرتا ہے تو وہ منتیں کر کے اُسے ہرگز نہیں روکتے۔ وہ عشق میں مسکینی، دل گیری، عاجزی اور فروتنی کے ہرگز روادار نہیں اور نہ ہی خود کو قابلِ رحم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ محبوب کے رویوں کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں ور اپنی انا کو کسی صورت بھی مجروح نہیں ہونے دیتے۔

بچھڑتے وقت بہت اعتماد تھا اس میں
اسی خیال سے ہم نے بھی پھر نہ دی آواز(۱۳)

لیکن جدا ہونے کے بعد ایسا نہیں کہ انھوں نے محبوب کو بھلا دیا ہو بلکہ جدائی کے عالم میں بھی محبوب کو قریبِ رگِ جاں جانتے ہیں۔ اگر کہیں بھلانے کی دانستہ کوشش کی بھی گئی تو ناکام رہے۔ محبوب کی یاد انھیں رہ رہ کر بے چین کرتی ہے اور وہ کسی نہ کسی بہانے محبوب کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں۔ دراصل ان کے ہاں، یاد کا حوالہ جذبہ و احساس کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ یاد کبھی اضطراب، حدت اور تپش بن کر ابھرتی ہے تو کبھی سطحِ آب پر کنول بن کر تیرنے لگتی ہے۔

کسی کے آنے کی اُمید بندھنے لگتی ہے
فریب دیتی ہے کیا روشنی ستاروں کی(۱۴)

دلِ حیراں میں تری یاد ہے سرمایۂ جاں
دشت میں کچھ نہیں اِس شعلۂ تنہا کے سوا(۱۵)

یاد کی متنوع کیفیات ہیں جن کو سنبھالنا یقیناً ایک مشکل امر ہے۔ ترکِ تعلقات کے بعد عالمِ فراق میں محبوب کو یاد رکھنا اور اُس یاد کو اپنی چشمِ تر میں رکھ کر اُس کی پرورش و پرداخت کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے لیے دیدۂ تر کے ساتھ ساتھ ساتھ خونِ جگر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا دیکھا گیا کہ اسلم انصاری کے بہت سے پیش

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

روجن میں غالب بہت اہم ہیں اور کئی ایک معاصر، جن میں فیض کا نام لیا جا سکتا ہے، جیسے لوگوں کو غمِ دوراں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ غمِ جاناں کی حسرت ہی کرتے رہ گئے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے
(غالبؔ)

دنیا نے تیری یاد سے بے گانہ کر دیا
تُجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے
(فیضؔ)

لیکن اسلم، محبوب کی یاد کو اس کے برعکس لیتے ہیں اور اسے غمِ دنیا کے بھلانے کا سامان سمجھتے ہیں۔ گویا، محبوب کی یاد کو گوشۂ عافیت سمجھتے ہیں۔

ترے خیال نے کارِ جہاں سے دُور رکھا
بس ایک پل کی بھی فرصت ملی نہ آج تلک[۱۶]

رقیب اور ناصح کا کردار اگرچہ اردو اور فارسی شاعری کا مشترکہ موضوع رہا ہے لیکن یہ موضوع ہماری شاعری میں اس کثرت سے استعمال ہوا کہ پامال ہو کر رہ گیا۔ اس موضوع میں روایت کی محض تقلیدی رسم ادا کرنے کے علاوہ کوئی جدتِ خیال کا پہلو نہ بچا۔ اسلم انصاری ایسے پامال راستوں سے دامن بچا کے چلتے ہیں۔ اسلم انصاری کے تصورِ عشق میں رقیب اور ناصح کا کردار بہت کم نظر آتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی شاعری میں انسانی، اخلاقی اور تہذیبی تصورات کی کمی ہے۔ اُن کی شاعری کا متعدد بہ حصہ معاشرے میں پائے جانے والے انسانی رویوں کے تخلیقی اظہار سے عبارت ہے۔ یہی انسانی رویّے اُن کی شاعری میں غمِ دوراں کا موضوع بنتے ہیں۔

اسلم انصاری کی شاعری میں اگر غمِ دوراں کو غمِ جاناں کے مقابل رکھ کے دیکھا جائے تو بظاہر تو غمِ جاناں زیادہ وسیع اور تہ دار نظر آتا ہے لیکن اِس سے ہرگز یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کے یہاں غمِ دوراں سطحی درجے کا حامل ہے۔ اسلم کا غمِ زمانہ بھی توانا اور مضبوط بنیادوں پر اُستوار ہے۔ یہ غم آگہی کے غم سے شروع ہو کر زمانے کی ناقدری پر تمام ہوتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

شدّتِ تلخیِ حالات بڑھا دیتی ہے
آگہی درد کے شعلوں کو ہوا دیتی ہے (۱۷)

''کسی نے حال نہ پوچھا دلِ شکستہ کا''
رہِ حیات میں کچھ لوگ ہم کو یوں تو ملے (۱۸)

ہر ادب میں زندگی کے متعلق تھوڑے بہت تضادات و اختلافات کے ساتھ عصری رجحانات کا پایا جانا لازمی ہے۔ اسلم انصاری کی شاعری بھی آشوبِ آگہی کے ساتھ ساتھ عصری آشوب کا مکمل احاطہ کیے ہوئے ہے۔ نفسی واردات اور سماجی صورتِ حال نے اس آشوب کو ایک نیا مزاج عطا کیا۔ اُن کی عظمت یہ ہے کہ انھوں نے اس آشوب کو تخلیقی قوت کے طور پر لیا اور اس قوت کے بل بوتے پر اسرارِ حیات اور رموزِ کائنات کو جاننے کی کوشش کی۔ وہ انسانی تضادات، منافقانہ رجحانات، سماجی محرومی، معاشی استحصال اور عام انسانی مسائل اور دُکھوں پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اس حوالے سے اُن کا شعری و فکری تجزیہ انسانی بصیرت میں اضافے کا باعث ہے۔

ہر جا سُکھ کا کال پڑا ہے
ہر من میں دُکھ کی اگنی ہے (۱۹)

وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ غم سے نجات کسی طور ممکن نہیں۔ اس لیے اُن کے ہاں غم سے نجات پانے کی خواہش بھی کم ہی نظر آتی ہے۔ وہ غم کو گوارہ اور قابلِ برداشت بنانے کے لیے غم سے ہم آہنگ ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ افتخار شفیع اس حوالے سے اُن کی غزل کے متعلق یوں تجزیہ کرتے ہیں:

> ڈاکٹر اسلم انصاری نے غزل میں ایک ایسا لہجہ متعارف کرایا ہے جو بڑے لامحسوس طریقے سے معاشرے میں پھیلے سیاسی، معاشرتی اور معاشی جبر کو بے نقاب کرتا ہے، فرق یہ ہے کہ انھوں نے دیگر غزل گو شعرا کے برخلاف اس موضوع کو غزل کے پیش کردہ علامتی اور ماورائی انداز میں تخلیق کا جزو بنایا ہے۔ اس دوران کہیں پر بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ شعر کسی واقعے یا خبر سے ماخوذ ہے۔ (۲۰)

افتخار شفیع کی یہ بات بالکل درست ہے کہ اسلم انصاری کی غزل میں زندگی کی تلخ حقیقتوں اور انسانی دُکھوں اور مسائل کے بیان کا یوں احساس نہیں ہوتا، جس طرح اُن کی نظم کا قاری شدید تر احساس میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اُن کی معروف ترین غزل ''میں نے روکا بھی نہیں اور وہ ٹھہرا بھی نہیں'' اور مشہور نظم ''گوتم کا آخری

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

وعظ'' اُن کی دو جہات یعنی غمِ جاناں اور غمِ دوراں پر عکاس ہے۔ اس زاویے سے دیکھا جائے تو اُن کی غزل کا مرکزی موضوع غمِ جاناں جب کہ اُن کی نظم کا مرکزی موضوع غمِ دوراں بنتا ہے۔لیکن ایسا تاثر بھی نہیں لینا چاہیے کہ ان ہر دو جہات میں دوسرا پہلو موجود ہی نہ ہو۔موجود ضرور ہے لیکن نسبتاً کم شدت کے ساتھ۔

سوچتا ہوں کہ یہ معمورۂ غم، یہ دنیا
کس لیے تُو نے بنائی ہے بنانے والے(۲۱)

کچھ تو غمِ خانۂ ہستی میں اجالا ہوتا
چاند چمکا ہے تو احساس بھی چمکا ہوتا(۲۲)

اسلم انصاری جب اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ معاشرے سے اعلیٰ اخلاقی قدریں مٹتی جا رہی ہیں۔انسانیت، آدمیت اور اخوت و محبت جیسے نظریات ناپید ہوتے جاتے ہیں۔وسعتِ نظری اور کشادہ دلی جیسی صفات پردہ پوش ہو چکی ہیں۔حرص و ہوس نے لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور وہ ہر حوالے سے اپنی ذات کو ترجیح دینے لگ گئے ہیں تو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں خود کو سب ذات کے آئینے میں دیکھا چاہیں۔ایسے ماحول میں کہ جہاں لوگ اعلیٰ نصب العین اور عظیم مقاصد کے بجائے محض حیوانی خواہشات کی سطح پر زندہ ہیں، مادیت پرستی کے زیرِ اثر ظلم و زیادتی ایک عمومی انداز بن چکا ہے، جب اُن کی نظر پڑتی ہے تو تو کُڑھنے لگتے ہیں اور پکار اُٹھتے ہیں:

ہر ایک شاخِ شجر سے لہُو ٹپکتا ہے
یہ راز کیا ہے، کوئی ہم سے پوچھتا ہی نہیں(۲۳)

ہوا چلی ہے کہ تلوار سی چلی ہے ابھی
لہو میں ڈوب گیا شاخ شاخ کا چہرہ(۲۴)

اسلم انصاری کی شاعری میں انسانی رویّوں کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔انھوں نے لاشعوری محرکات کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے لوگوں کے شخصی رویّوں کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔منافقت زدہ معاشرے میں لوگ کا طرزِ فکر کیسا ہے اور وہ کس طرح باہر سے مسلمان اور اندر سے کافر ہیں، وہ اپنے شعروں میں ایسے لوگوں اور اُن کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

روّیوں کو خوب صورتی کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

وہ نہ آیا تھا، تو کیا کیا اختلافِ رائے تھا
اُس کو دیکھا ہے تو سارے ہم نوا کیسے ہوئے(۲۵)

دِلوں کے بھید کوئی کھولتا نہیں ورنہ
محبتوں کے قرینے تو ہر زبان میں ہیں(۲۶)

اسلم انصاری نے شاعری کسی باقاعدہ تحریک کے زیر اثر کی ہو، ایسا تو ہرگز نہیں۔ ہاں البتہ اُن کی شاعری ترقی پسند تحریک کے اثرات کسی حد تک اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ ایسا بھی شاید انھوں نے دانستہ نہ کیا ہو، کیوں کہ ترقی پسند تحریک کے نظریات وہ عالم گیر نظریات تھے، جنھوں نے اخوت و مساوات کے اصول کی عملی صورت سے اُبھرنے والے تصوّرِ انسان کی بنیاد رکھی اور یہ ایک ایسا تصور ہے جو ہر بیدار مغز انسان کو مرغوب ہے۔

اسلم انصاری کی شاعری میں ترقی پسند عناصر اگرچہ فیض احمد فیض جیسے معروف ترقی پسند شعرا کے درجے کے تو نہیں ملتے لیکن ملتے ضرور ہیں۔ جب وہ روز معاشرے میں ظلم و ستم کا بازار گرم دیکھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ جب وہ گردو پیش میں بسنے والے نادار اور غریب لوگوں کی حالتِ زار کو دیکھتے ہیں تو اُن کے لہجہ اُداس ہو جاتا ہے۔ ذاتی منفعت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے مفاد پرست سیاست دان طبقے کے ہاتھوں عام اور غریب آدمی کا بار بار استحصال اور حق تلفی انھیں مایوس کر دیتی ہے۔ اسلم انصاری کی شاعری میں یاس اور قنوطیت کی یہ لہر سطحِ آب پر تو اتنی واضح نہیں لیکن زیرِ آب بہت نمایاں ہے۔

ایک بچّی جو... (تصویر میں) سوکھے ٹکڑوں کی کاوش میں ہے
کوئی بڑھ کر اُٹھا لے اُسے گود میں... کوئی ایسا نہیں(۲۷)

بدن پہ جن کے نہیں اب بھی پارۂ ملبوس
تغیّرات کے دعوے ہیں سب انھیں کے لیے(۲۸)

ان اشعار سے ایک ایسا منظر نامہ تشکیل پاتا ہے جس میں ہمارے معاشرے کا طرزِ احساس سمٹ آیا ہو۔ ایسا معاشرہ جس کی بنیاد جھوٹ، بے مروتی اور بے گانگی پر ہے، جہاں ہر فرد اپنی ذات سے محبت کا والہانہ اسیر ہے جہاں اپنائیت اور محبت کی جگہ بے حسی اور بے وفائی لے چکی ہے۔ ایسے معاشرے میں ذی شعور فرد کی نفسیاتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

طور پر بہت متاثر ہوا ہے۔نفسیاتی پیچیدگیوں کے سبب پیدا ہونے والی محرومیوں اور بیماریوں میں سب سے بڑی بیماری احساسِ تنہائی ہے۔موجودہ زمانے میں ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ تعلق کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔انسانی تعلقات میں گرم جوشی کی جگہ سرد رویّے نے لے لی ہے۔لہٰذا جوں جوں شناسائی بڑھتی جا رہی ہے ایسے ایسے لوگوں کے اندر تنہائی کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔اسلم انصاری کے یہاں تنہائی کا احساس شدید تر ہے۔ڈاکٹر افتخار شفیع رقم طراز ہیں:

اسلم انصاری کا 'احساسِ تنہائی' تیسری دنیا کے مسائل و معاملات سے لے کر خود اُن کے داخلی کرب تک پھیلا ہوا ہے اور اس احساسِ تنہائی کی تمام اقسام مثلاً تنہائی (Loneliness) علیحدگی (Isolation) اکیلا پن (Aloneness) خلوت (Solitude) بیگانگی (Alienation) کے کئی رنگ اسلم انصاری کی غزل کو معاصر غزل سے منفرد اور با ثروت بناتے ہیں۔(۲۹)

زمانۂ حال کے مفکر، شاعر اور افسانہ نگار کے نزدیک تنہائی کا احساس ایک خطرناک داخلی بیماری کے طور پر ابھرا ہے۔شاید اس کی وجہ صنعتی تمدن کا پھیلاؤ اور عالمی جنگوں کے بعد انسانی بے وقعتی ہے۔جدید مشینی نظام نے انسان کو تنہا کر کے رکھ دیا۔انٹرنیٹ ٹیکنالوجی نے آ کر اُسے شدید تر تنہا کر دیا۔ایک طرف دنیا سمٹ کر گلوبل ویلیج کا روپ دھار چکی ہے تو دوسری طرف تنہائی، بے گانگی اور مایوسی کے سبب انسان کی زندگی بے روح ہو چکی ہے۔انسان کی اِس بے چارگی پر قاضی جاوید نے انتہائی خوب صورت تبصرہ کیا۔وہ کہتے ہیں:

اب وہ انسان نہیں، کارٹون ہے، جوکر ہے، جو زندگی کے ڈرامے کو لغو جانتے ہوئے بھی محض عادت کے تحت اپنا کردار ادا کیے جا رہا ہے۔(۳۰)

اس صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی نے انسانی سماج پر جو اثرات مرتب کیے، اُن کا ذکر اسلم انصاری کی شاعری میں جگہ جگہ موجود ہے۔اُن کی غزل میں ہجومِ آدم میں تنہائی، بے گانگی کا دُکھ اور بے چہرگی کا غم جیسے موضوعات پر کثرت سے اشعار ملتے ہیں۔اپنے گردو پیش میں بسنے والے ہجوم کے باوجود وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتے ہیں۔ناصر کاظمی کو بھی اسلم کی اسی بات نے متاثر کیا۔لکھتے ہیں،''جب وہ کہتا ہے اتنے سارے لوگ ہیں اور میں تنہا ہوں،تو میری تنہائی جاگ اٹھتی ہے۔''(۳۳)

سائنسی ترقی نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ہر دو حوالے سے متاثر کیا ہے۔جہاں اس نے ابلاغ کے حوالے سے فاصلے ختم کیے ہیں وہاں اصل رشتوں میں فاصلے بڑھا بھی دیے ہیں۔انسانی رشتے اور تعلقات میں جذبہ و احساس ختم ہو کر رہ گیا ہے۔بے لوث محبت، ہمدردی اور غم گساری کا جذبہ کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔انسانی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تعلقات بظاہر اپنا وجود رکھتے ہوئے بھی معدوم ہوتے جا رہے ہیں کیوں کہ وقتی ضرورت کے تحت بنائے ہوئے رشتوں میں محبت اور وفا ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اسلم انصاری رشتوں میں پائی جانے والی اس بے مروتی اور بے وفائی پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

بدلتے جاتے ہیں اب زندگی کے پیمانے
دلِ خراب، تجھے کون آئے سمجھانے(۳۲)

اُڑا ہے رفتہ رفتہ رنگ تصویرِ محبت سے
ہوئی ہے رسمِ اُلفت بے وقار آہستہ آہستہ(۳۳)

اسلم انصاری ایک کالم میں لکھا کہ زندگی میرے نزدیک ایک ایسی تخلیقی ذمے داری ہے جس کی تکمیل اخلاقی شعور کے بغیر ممکن نہیں۔ ڈاکٹر نجیب جمال رقم طراز ہیں:

تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی اور مشینوں کی گڑگڑاہٹ میں یہ اُردو شاعری ہی ہے جو نہ صرف احساس کو ملاحت کا روپ عطا کرتی ہے بلکہ محبت، وفا اور مروت جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کی حاصل تہذیب کو زندہ کرتی ہے۔(۳۴)

ایک ایسی زندگی کہ جہاں سے محبت، اخوّت، دیانت داری، مخلوص، خدا ترسی اور روشن ضمیری جیسے اخلاقی اصول اُٹھ گئے ہوں، ایک روشن ضمیر تخلیق کار کے رہنے کی موزوں جگہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلم انصاری بھی کسی نئے جہاں کی تلاش میں ہیں۔ ایک ایسا جہاں کہ جہاں زندگی کے اصول اِس جہاں سے یک سر بدلے ہوئے ہوں۔ لہٰذا وہ ایک جدید طرزِ احساس کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں اور جذبے اور فکر کی نئی نئی راہیں تلاش کرتے ہیں۔

عدم کی سمت سے سوئے وجود آتا ہوا
نیا جہاں ہو کوئی چشمِ دُوربیں کے لیے(۳۵)

نئے خطوط پہ ہونی ہے گر نئی تشکیل
تو ایک خطّہ نہیں، یہ جہان سارا بنے(۳۶)

اسلم انصاری کے ہاں سماجی، سیاسی، سائنسی، نفسیاتی اور معاشی تناظر میں جن انسانی محرومیوں اور المیوں کا ذکر ملتا ہے، اس حوالے سے اُن کے طرزِ بیان میں احتجاج موجود تو ہے لیکن اس قدر بلند آہنگی اور نعرہ بازی کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

صورت میں نہیں جیسے اُن کے بعض معاصرین بالخصوص ترقی پسند شعرا کے ہاں نظر آتا ہے۔ انھیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ کسی خاص نظامِ فکر کو موضوعِ شعر بناتے ہوئے شعور اور فن کی کن نزاکتوں کا خیال رکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماجی حقیقتوں، سیاسی بے اعتدالیوں، نفسیاتی پیچیدگیوں اور معاشی مسائل کے اظہار میں اُن کا لہجہ نعرہ بننے سے محفوظ رہا۔ ایک انٹرویو میں اسلم انصاری نے اِس کی وضاحت یوں کی:

شاعر سیاسی و سماجی تبدیلیوں سے براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ بعض لوگ کھلم کھلا اِس کا اظہار کرتے ہیں لیکن میں نے اپنے مزاج کے باعث ایسا نہیں کیا، شاعری میں، مَیں کسی حد تک ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر ہوا اور اِس کی جھلکیاں میری شاعری میں موجود ہیں لیکن میں شاعری کو نعرہ بنانے سے گریزاں رہا اور ایسا میں نے کسی منصوبہ بندی کے باعث نہیں کیا۔ میرے خیال میں آرٹ کی جو قدریں ہیں انھیں ملحوظ رکھنا چاہیے۔(۳۷)

اُن کے یہاں شعر و ادب کی اقدار کو ہمیشہ اولیّت حاصل رہی ہے۔ انھوں نے شعر و ادب بالخصوص غزل کو بھڑکتے ہوئے شعلوں پہ نہیں، بلکہ نرم آنچ پہ جلایا ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ غزل کی بہر طور اپنی ایک تہذیب ہے، خواہ غزل قدیم ہو یا جدید۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج اونچی آواز میں تو سنائی نہیں دیتا لیکن دھیمی آواز اور مہذب لہجے میں ضرور سنائی دیتا ہے۔ اسی دھیمے پن نے اُن کی غزل کو لطافتوں سے مالا مال کر دیا۔ وہ معاشرتی صورتِ احوال دیکھ کر نہ ہی آہ و فُغاں کرتے ہیں اور نہ ہی خاموشی اختیار کرتے ہیں بلکہ اپنی تاثرات کا اظہار دھیمے انداز میں کچھ یوں کرتے ہیں کہ آواز بھی سنائی نہیں دیتے اور سننے والے اُن کا پیغام سن بھی لیتا ہے:

منہ پھیر لیں یا کیا کریں، منظر بدلنا چاہیے
کب سے خس و خاشاک پر سایہ گھنی شاخوں کا ہے(۳۸)

اِس بے بسی اور نا اُمیدی کے عہد میں مایوس انسانی باطن کا پہلا تقاضا اُمید ہے۔ اسلم کی شاعری میں بھی روشن مستقبل کی نوید ملتی ہے۔ انسانی تاریخ کے گہرے تجزیاتی مطالعے کے بعد وہ اِس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ کوئی بھی منظر طویل تو ہو سکتا ہے لیکن دائمی ہرگز نہیں۔ لہٰذا یہ منظر جو سامنے ہے، ضرور بدلے گا، ماحول خوش گوار ہوگا اور حالات بہتری کی طرف لوٹیں گے۔

پُھوٹے گی کبھی شاخِ تمنا سے بھی کونپل
یہ فصلِ الم خیز کسی روز کٹے گی(۳۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عجب نہیں کہ نظامِ جہاں بدل جائے
خیال و حرف کے رشتے بدلتے جاتے ہیں(۴۰)

وہ امید و آشتی کے شاعر ہیں جو حال کے روزن سے مستقبل کا روشن سورج طلوع ہوتے دیکھتے ہیں اور قارئین کو پل پل بہتری کی نوید سناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزلوں میں نوید افزا بصیرت کے نقوش قدم قدم پر ملتے ہیں اور اُن کا قاری بار بار شعوری اور لاشعوری سطح پر رجائیت کے لطف سے متمتع ہو جاتا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ''ولی سے اقبال تک''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۴
۲۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، ''مکالمات''، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۶ء)، ص ۶۹
۳۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، (ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۵۶
۴۔ ایضاً، ''شبِ عشق کا ستارہ''، (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۷
۵۔ ایضاً، ص ۱۱۳
۶۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)، ص ۵۹
۷۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، ص ۹۹
۸۔ ایضاً، ''شبِ عشق کا ستارہ''، ص ۴۴
۹۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۶۴
۱۰۔ ایضاً، ''شبِ عشق کا ستارہ''، ایضاً، ص ۱۰۶
۱۱۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۱۰۹
۱۲۔ ایضاً، ''شبِ عشق کا ستارہ''، ص ۶۵
۱۳۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، ص ۲۰۴
۱۴۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۱۳۹
۱۵۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، ص ۱۶۵
۱۶۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۶۲
۱۷۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، ص ۲۹
۱۸۔ ایضاً، ''شبِ عشق کا ستارہ''، ص ۱۸۲
۱۹۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، ص ۳۸
۲۰۔ ڈاکٹر افتخار شفیع، ''ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن''، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء)، ص ۵۲
۲۱۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، ''خواب و آگہی''، ص ۷۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۹۰

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۴
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۳۲
۲۵۔ ایضاً، ص ۷۸
۲۶۔ ایضاً، ''شبِ عشق کا ستارہ''، ص ۱۶۷
۲۷۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۸۸
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۴۴
۲۹۔ ڈاکٹر افتخار شفیع، ''ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن''، ص ۴۸
۳۰۔ قاضی جاوید، ''محبت اور انقلاب''، (لاہور: بک ٹریڈرز، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۴
۳۱۔ ناصر کاظمی، ''خشک چشمے کے کنارے''، (لاہور: فضلِ حق اینڈ سنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۲۱
۳۲۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۹۳
۳۳۔ ایضاً، ص ۱۴۱
۳۴۔ ڈاکٹر نجیب جمال، ''اردو شاعری کی تہذیب (امیر خسرو سے غالب تک)''، (بہاول پور: جزیرۂ تحریر، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۱
۳۵۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۱۴۳
۳۶۔ ایضاً، ص ۱۵۰
۳۷۔ ایضاً، ''مکالمات''، ص ۷۰
۳۸۔ ایضاً، ''خواب و آگہی''، ص ۱۲
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۴۰۔ ایضاً، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، ص ۱۱۶

مآخذ

۱۔ انصاری، اسلم ڈاکٹر، ''خواب و آگہی''، ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۲ء
۲۔ _____، ''شبِ عشق کا ستارہ''، ملتان: کتاب نگر حسن آرکیڈ، ۲۰۰۹ء
۳۔ _____، ''مکالمات''، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۶ء
۴۔ _____، ''نقشِ عہدِ وصال کا''، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء
۵۔ جاوید، قاضی، ''محبت اور انقلاب''، لاہور: بک ٹریڈرز، ۱۹۸۰ء
۶۔ جمال، نجیب، ڈاکٹر، ''اردو شاعری کی تہذیب (امیر خسرو سے غالب تک)''، بہاول پور: جزیرۂ تحریر، ۲۰۰۷ء
۷۔ شفیع، افتخار، ڈاکٹر، ''ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن''، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء
۸۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، ''ولی سے اقبال تک''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
۹۔ کاظمی، ناصر، ''خشک چشمے کے کنارے''، لاہور: فضلِ حق اینڈ سنز، ۱۹۹۰ء